ابوسلمان شاہجہانپوری

مولانا عبید اللہ سندھیؒ کا ایک ترجمان پروفیسر محمد سرور جامعی

(۴)

ترتیب

افادات و ملفوظات کی ترتیب اس سے قطعی مختلف ہے جیسی کہ صوفیہ وغیرہ کے ملفوظات میں نظر آتی ہے۔ یعنی مضامین کے لحاظ سے دیکھیے تو غیر مرتب۔ اور مطالب و مفاہیم پر نظر کیجیے تو مبہم۔ ملفوظات ذو معنی، جس کی کئی کئی تعبیریں کی جا سکتی ہیں۔ سرور صاحب نے یہ نہیں کیا کہ جو ملفوظات جس تاریخ کو مولانا کی زبان سے نکلا اسے درج کر دیا ہو۔ ابتدائی ابواب مولانا کے سوانح و افکار پر مشتمل ہیں۔ مثلاً ابتدائی تین ابواب یہ ہیں :-

۱۔ خدمت میں حاضری :

سرور صاحب کی مکہ معظمہ میں مولانا سندھی کی خدمت میں حاضری اور ابتدائی ملاقات اور حج اور مناسکِ حج میں ظاہر پرستی اور خدا سے دعاؤں کے لیے کسی خاص زبان کے لزوم کی بحث۔

۲۔ مکہ معظمہ میں علمی و سیاسی دلچسپیاں :

مکہ معظمہ میں مولانا سندھی کی زندگی، علم اور مطالعہ، درس و تدریس، تعلیم و تعلّم اور فرصت فکر و تدبّر۔

۳۔ واپس وطن میں:

ہندوستان میں مولانا کی آمد۔ مولانا کے بعض سیاسی خیالات اور اپنی تعلیم کے نصاب و نظام کے بارے میں مولانا کے خیالات اور ان کی تنقید اور اس سے دینی حلقوں میں بے چینی کی روداد۔

۴۔ جامعہ میں بیت الحکمۃ کا قیام:

اس میں مولانا نے مسلمان نوجوانوں کی تعلیم و تربیت اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے مذہبی، سیاسی، معاشی نظریات پر تعلیم و تدریس اور تحقیق و تالیف اور نتائج مطالعہ و نظر کی اشاعت و ترویج کی ضرورت اور اس کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے۔

۵۔ علمی و فکری مراکز۔ سیاسی اجتماعات میں شرکت:

یہ باب مولانا کے ان سیاسی، معاشی اور ملک کی مختلف سیاسی جماعتوں کے افکار و نظریات پر تنقید میں ہے۔ اس میں سرور صاحب نے ان مختلف خطبات اور ان کے مطالب پر بھی بحث کی ہے جو مولانا نے جمعیت علماء، کانگریس وغیرہ مختلف جماعتوں کے اجلاسوں میں پیش کیے تھے۔

آخری تین ابواب کے عنوانات یہ ہیں:۔

۶۔ سوشلزم اور مذہب

۷۔ شخصیات:

مجدد الف ثانیؒ، شاہ ولی اللہ، سید احمد بریلوی، مولانا محمود حسن، سر سید احمد خان، اقبال، ڈاکٹر ذاکر حسین خاں اور حکیم نور الدین قادیانی۔

۸۔ ملفوظات :

اس کے تحت قرآن، احادیث، فقہ، فرعون کی نجات، تناسخ، اسلام، انقلاب، تہذیب، عورتیں اور پردہ، دارالعلوم دیوبند، علی گڑھ کالج، دین اور سیاسی تغلب، اشرافیہ پرستی وغیرہ بیسیوں موضوعات پر مولانا سندھی مرحوم کے ملفوظات ہیں۔

لیکن سرور صاحب نے صرف ملفوظات پیش کر دینے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کی تشریح و تفہیم کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش بھی کی ہے اور وہ اس میں ناکام نہیں ہیں۔ انھوں نے مولانا سندھی کے ملفوظات کی ترتیب و تہذیب کا فریضہ بھی انجام دیا ہے اور مولانا کی دوسری تحریروں سے اور خانوادۂ ولی اللّٰہی کے اکابر کی تحریروں کے حوالوں سے ان کی تشریح و وضاحت کرکے بہت سے اشکال کو بھی رفع کر دیا ہے اور مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم کے بیان کے اُلجھاؤ کو دور کر دیا ہے۔

کسی مفکر یا مصنف کے تمام خیالات سے اتفاق تو بہت مشکل ہے اور نہ ہر بات بے چون و چرا تسلیم کی جا سکتی ہے۔ اگر ایسی کوئی چیز ہے وہ صرف قرآن حکیم اور سیرت نبوی کی صداقت ہے جس کے آگے ایک مسلمان بے سوچے سمجھے بھی سر اطاعت و تسلیم جھکا سکتا ہے۔ اگرچہ قرآن حکیم کا یہ مقصد نہیں ہے کہ کسی سچائی اور حقیقت کو بھی بے سوچے سمجھے اختیار کر لیا جائے۔ حالانکہ حق آپ کے تفکر و تدبر تو کجا اختیار و تسلیم کا بھی محتاج نہیں۔ مولانا سندھی کے افکار کو مقلدانہ کیوں کر تسلیم کر لیا جا سکتا ہے۔ مولانا سندھی مرحوم نے سوشلزم کے بارے میں جو کچھ کیا ہے بلاشبہ مولانا کا نہایت مخلصانہ اور دیانت دارانہ مطالعہ ہے۔ لیکن کیا اس کی حقیقت صرف وہی ہے جو مولانا سندھی مرحوم کو نظر آئی ہے؟ یہ بات محل نظر ہے۔ مولانا نے سوشلزم کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے میرے نزدیک وہ ان کا اپنا نقطۂ نظر ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کا نقطۂ نظر نہایت اہم ہے اور اسے یوں ہی نظر انداز نہیں کر دیا جا سکتا اور

نہ یک قلم رد کر دیا جا سکتا ہے ۔ معلوم ہے کہ مولانا نے اس پر ایک معاشی نظام کی حیثیت سے نظر ڈالی ہے اور ایک ایسا معاشی نظام جس کے فلسفے کی بنیاد عوام کی بہبودی اور انسانیت کی فلاح پر ہو یہ کیوں کر سمجھ لیا جا سکتا ہے کہ اسلام اس کا مخالف ہوگا

اور اسلام میں انسانیت کی خدمت اور اس کی فلاح و بہبود کے اس ذریعے کی کوئی گنجائش نہ ہوگی ؟

مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم کی شخصیت کے اس پہلو کو ہرگز نظر انداز نہیں کر دینا چاہیے کہ ان کے تمام افکار کی بنیاد حضرت شاہ ولی اللہؒ کے دینی اور عمرانی نظریات پر ہے ۔ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کے علوم و معارف پر مولانا کی نظر و عبور کا جو عالم ہے وہ معلوم و مسلم ہے ۔ اہل علم نے اس کا اعتراف کیا ہے ۔ مولانا محمد منظور نعمانی صاحب ، مولانا سندھی مرحوم کے ایک مقالے " امام ولی اللہ کی حکمت کا اجمالی تعارف " مطبوعہ "الفرقان" شاہ ولی اللہ نمبر[1] کے مطالعے کے بعد لکھتے ہیں :

" اس کے مطالعے کے بعد ہی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ولی اللٰہی حکمت پر مولانا سندھیؒ کی نظر کس قدر گہری ہے اور شاہ صاحبؒ کے علوم و معارف کا انھوں نے کیسی قدر عمیق مطالعہ فرمایا ہے "[2]

مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں :

"مولانا سندھی کے مضمون کو میں نے بغور پڑھا اور اس یقین کے ساتھ ختم کیا کہ بیشبہ مولانا کی نظر حضرت شاہ صاحبؒ کے فلسفے اور نظریات پر نہایت وسیع اور عمیق ہے "[3]

مولانا نعمانی اور حضرت سید صاحب علیہ الرحمۃ کے ارشادات سے اندازہ کیا جا سکتا

---

[1] شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ نامی کتاب دراصل مولانا سندھی مرحوم کا یہی مقالہ ہے ۔

[2] و [3] مولانا عبید اللہ سندھی " شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ " سندھ ساگر اکادمی لاہور ۱۹۴۲ء صفحہ ۔

ہے کہ مولانا سندھیؒ کے جن افادات و ملفوظات کی بنیاد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے علوم و معارف پر ہوگی، ان کی علمی اور دینی قدر و قیمت کیا ہوگی؟

سرور صاحب پر میں ایک بزرگ کا یہ الزام سن چکا تھا کہ انھوں نے اپنے خیالات کے لیے مولانا سندھیؒ کو آڑ بنایا ہے۔ میرے نزدیک اس الزام کی کوئی حیثیت نہیں۔ اس لیے کہ اس الزام کی بنیاد جس کتاب پر ہے یعنی "مولانا عبید اللہ سندھیؒ۔ حالات زندگی، تعلیمات اور سیاسی افکار" وہ مولانا مرحوم کی زندگی میں چھپ چکی تھی اور نہ صرف یہ کہ کوئی ایسی شہادت موجود نہیں جس سے مولانا سندھیؒ کے عدم اطمینان اور شکایت کا پتہ چلے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ کتاب شائع ہونے کے بعد مولانا کی نظر سے گزری اور انھوں نے اسے پسند فرمایا تھا۔ دوسری بات جس سے اس الزام کی نفی ہو جاتی ہے، وہ یہ ہے کہ مولانا نے خود اپنی تحریروں، خطبوں وغیرہ میں اور انھیں موضوعات پر مجملاً یا مفصلاً جو کچھ لکھا ہے وہ اس سے متبائن نہیں۔ جو بات مولانا اپنے خطبات و مقالات میں موقع و محل کی مناسبت سے خود لکھتے ہیں، وہی بات صرف انداز بیان کے تفاوت سے سرور صاحب نے لکھی ہے۔

اگرچہ مجھے اپنی اس رائے کی صحت میں قطعاً شبہ نہ تھا پھر بھی میرے ذہن میں چونکہ ایک خلش تھی اس لیے میرے ذہنی سکون اور اطمینان قلب کے لیے یہ استدلال کافی نہیں ہے۔ اس لیے میں نے سرور صاحب کی دوسری تصنیفات اور مرتبات کے مقدمے دیکھے جن میں سرور صاحب نے انھیں مسائل و مباحث کے بارے میں اپنا مطالعہ و تجزیہ پیش کیا تھا۔ مثلاً مولانا محمد علی جوہر، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی و جماعت اسلامی وغیرہ اور سرسری نظر سے مولانا سندھیؒ کے افادات و ملفوظات اور سرور صاحب کے نتائج مطالعہ و نظر کے اختلافات واضح ہوگئے اور صاف معلوم ہوگیا کہ بعض افراد، جماعتوں اور مسائل کے بارے میں سرور صاحب کا نقطۂ نظر اور نتیجۂ فکر مولانا سندھیؒ کے مطالعے اور تجزیے سے مختلف ہے۔ ایک بنیادی فرق تو یہی ہے کہ مولانا سندھیؒ کا دورِ حیات وہ تھا جس میں ہندوستان میں یہ مسئلہ زیر بحث تھا کہ برصغیر پاک

و ہند کے سیاسی مسئلے کا حل کیا ہو؟ سرور صاحب کا سیاسی گرد و پیش اس سے قطعی مختلف ہے۔ آج ہمارا مسئلہ کسی فیصلے تک پہنچنے کا نہیں ایک فیصلے (پاکستان) کے قیام استحکام کا ہے۔ اب سرور صاحب کے گرد و پیش کے تقاضے تیس، پینتیس برس پہلے کے حالات سے بالکل مختلف ہیں۔

مولانا سندھیؒ پر دوسری کتابیں

افادات و ملفوظات۔ اس وقت تک سرور صاحب کی آخری کتاب ضرور ہے لیکن پہلی نہیں ہے۔ گزشتہ چوالیس برس سے مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم ان کا علمی موضوع ہیں۔ انھوں نے مولانا کی متعدد کتابیں مرتب بھی کیں، ان پر بہت کچھ لکھا بھی۔ پھر ان کی اشاعت کا سرو سامان بھی کیا۔ اس طرح اردو میں ان کی شخصیت، خدمات اور افکار کے بارے میں بیش بہا اضافہ کیا ہے۔ جہاں تک مولانا سندھیؒ کے تعارف کا تعلق ہے کسی ایک شخص کو اس کا کریڈٹ نہیں دیا جا سکتا۔ بلاشبہ اس میں دوسروں کا حصہ بھی ہے لیکن سرور صاحب کی خدمت سب سے زیادہ ہے۔ مولانا سندھی مرحوم پر سرور صاحب کی پہلی کتاب "مولانا عبیداللہ سندھی، حالاتِ زندگی، تعلیمات اور سیاسی افکار" تھی۔ ۱۹۶۷ء تک اس کے تین ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ یہ پہلی کتاب ہے جس نے مولانا سندھی مرحوم کے سوانح و افکار کے بارے میں مستند معلومات فراہم کیں۔ اس کی شہرت اور مقبولیت اردو کے حلقوں میں کم نہیں۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۹۴۳ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس وقت مولانا سندھی مرحوم حیات تھے۔ انھوں نے اُسے دیکھا تھا۔ اور اسے پسند فرمایا۔ اس مضمون میں متعدد مقامات پر اس کا تذکرہ اور حوالے گزر چکے ہیں۔ یہ کتاب چونکہ ضخیم (۴۶۴ صفحات) تھی اس لیے سرور صاحب نے مولانا سندھیؒ کے حالات و افکار کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کے لیے اس کا ایک خلاصہ "تعلیمات مولانا عبیداللہ سندھیؒ" کے نام سے چھاپ دیا وہ بھی کئی بار چھپ چکا ہے۔

"کابل میں سات سال" کے نام سے مولانا سندھی کی سیاسی ڈائری اور خود نوشت حالاتِ زندگی کو ایک کتابچے کی صورت میں ایک نہایت مدلل اور مفصل مقدمے کے ساتھ شائع

گیا اس کے بھی کئی ایڈیشن مقبول ہو چکے ہیں۔ "خطبات و مقالات مولانا سندھی مرحوم" کے پانچ خطبوں اور آٹھ مقالوں اور تحریروں کا مجموعہ ہے۔ اس پر بھی سرور صاحب نے ایک مفید اور جامع مقدمہ لکھا ہے جس سے مولانا کی خدمات ملی اور افکار کے مطالعے کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

"مولانا عبید اللہ سندھی اور ان کے ناقد" سرور صاحب کی پہلی کتاب شائع ہوئی تو جماعت اسلامی کے مشہور رہنما مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم کے قلم سے اس پر انتہائی غضب آلود، اشتعال انگیز، ہیجان پرور اور دل آزار تبصرہ آیا۔ مرحوم کا یہ تبصرہ "معارف" اعظم گڑھ میں ستمبر ۱۹۴۴ء میں شائع ہوا۔ اسی شمارے میں مولانا سندھی مرحوم کی تعزیت میں ایڈیٹر معارف علامہ سید سلیمان ندوی کے قلم سے دو سطریں تھیں۔ مولانا سندھی مرحوم سے تعلق ارادت رکھنے والوں کو مولانا مسعود عالم ندوی اور حضرت سید صاحب کے اس رویے سے شدید تکلیف پہنچی۔[1] اس تنقید سے متاثر ہو کر مولانا سندھی کے ایک عاشق عالم دین مولانا سعید احمد اکبر آبادی ایڈیٹر "برہان" دہلی نے قلم اُٹھایا اور نہایت سنجیدگی اور متانت کے ساتھ تنقید نگار کی غلط فہمیوں کی تردید کی۔ یہ سلسلۂ مضمون اکتوبر ۱۹۴۴ء سے شروع ہو کر ۱۹۴۵ء کے اوائل تک جاری رہا۔ سرور صاحب نے اس سلسلۂ

---

[1] یہ محض اتفاق تھا کہ مولانا سندھی پر یہ تنقید اور تعزیت ایک ہی شمارے میں آئی۔ ظاہر ہے کہ تنقید پہلے آئی ہوگی، اس کی کتابت وغیرہ ہو چکی ہوگی۔ اور جب مولانا سندھی کے انتقال (۲۲ اگست ۱۹۴۴ء) کی خبر پہنچی تو شذرات میں تعزیت کر دی ہوگی۔ لیکن یہ تعجب ہے کہ مولانا سندھی پر دو سطریں جب کہ ان سے کم حیثیت کے لوگوں پر حضرت سید صاحب نے زبردست ماتم کیا ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ یہ ذاتی تعلق خاطر کی بات ہوگی یا زیر نظر شمارے میں اس سے زیادہ جگہ نہ نکل سکی ہوگی اور بعد میں اس کا موقع نہ رہا ہوگا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ سید صاحب ان خیالات سے متفق نہ ہوں لیکن اپنے عزیز و ہم وطن شاگرد کی دل داری کے خیالات سے یہ مضمون چھاپ دیا ہو۔

مضمون کو کتابی شکل میں مرتب کر دیا۔ اس پر ایک پیش لفظ تحریر فرمایا اور کمال دیانت سے کام لے کر کتاب کے آخر میں زیر بحث تنقید بھی شامل کر دی تاکہ قارئین تنقید اور اس کا جواب پڑھ کر مولانا سندھی کے ناقدین کی علمی دیانت اور قلم کی متانت کا اندازہ کر سکیں۔

مولانا سندھی مرحوم پر اس کے بعد بھی تنقید ہوئی۔ ان کے تنقید نگار ایک مخصوص فکر سے متاثر نظر آتے ہیں لیکن اعتراض کوئی نیا نہیں سامنے آیا۔ وہی باتیں جو مسعود عالم ندوی نے اپنی جوانی کے جوش اور فکر و نظر کی صالحیت کے زعم میں لکھی تھیں، زبان و بیان اور لب و لہجہ کی تبدیلی کے ساتھ کہی گئیں اس لیے ان کا جواب بھی اس سے مختلف نہیں ہو سکتا تھا، جو مولانا سعید احمد اکبر آبادی کے سنجیدہ و متین قلم سے نکلا تھا۔ مولانا سندھی مرحوم کا مطالعہ کرنے والوں کو اس کتاب پر ضرور ایک نظر ڈال لینی چاہیے۔

مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم کا ایک، نہایت محققانہ مقالہ الفرقان بریلی کے شاہ ولی اللہ نمبر میں" امام ولی اللہ کی حکمت کا اجمالی تعارف" کے نام سے چھپا تھا جسے اہل علم میں بہت پسند کیا گیا۔ اور مولانا منظور نعمانی اور علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم نے اس کی تحسین فرمائی اور علوم ولی اللہی میں مولانا سندھی کے کمال تبحر اور نظر بصیرت کا اعتراف کیا۔ یہ مقالہ پہلے کتابی صورت میں مولانا محمد نور الحق علوی کے حواشی کے ساتھ شائع ہوا تھا لیکن اس اشاعت سے صرف اہل علم ہی استفادہ کر سکتے تھے۔ ویسے اس مقالے کے مخاطب عوام نہیں، خواص تھے۔ سرور صاحب نے اسے از سر نو مرتب کیا اور ایک محققانہ مقدمہ اور مفید دیباچہ کے ساتھ "شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ" کے نام سے شائع کیا۔ اس وقت تک اس کے چار ایڈیشن نکل چکے ہیں۔

مولانا سندھی مرحوم کی ایک اور کتاب "شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک" ہے جس پر مولانا محمد نور الحق علوی نے نہایت مفید اور محققانہ حواشی تحریر فرمائے تھے لیکن یہ کتاب بھی عوام سے زیادہ خواص کے لیے تھی اس لیے عوام کے فہم کے لیے آسان

بنانے کی غرض سے سرور صاحب نے اسے بھی از سرِ نو مرتب کیا۔ اس کتاب کے بھی تین ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔

مولانا سندھی مرحوم کی شخصیت، خدمات اور افکار کے تعارف کے سلسلے میں سرور صاحب کی یہ خدمات ہمیشہ یادگار رہیں گی اور انھیں قدر کی نگاہوں سے دیکھا جائے گا۔

ارمغانِ شاہ ولی اللہ

مولانا سندھی مرحوم کے افکار کی بنیاد چوں کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے علوم و معارف پر ہے اور انھوں نے شاہ صاحب کی حکمت و فلسفہ کے تعارف کے لیے چند خاص مقالے تحریر فرمائے۔ وہ شاہ صاحب کے مطالعے اور ان کے علوم و معارف کے فہم و بصیرت میں بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ سرور صاحب کو مولانا سندھی سے عقیدت اور ان کے افکار سے دلچسپی تھی اس لیے حضرت شاہ ولی اللہ ان کے مطالعے کا خود بخود موضوع بن گئے اور چونکہ عربی اور فارسی زبانوں پر انھیں عبور تھا اس لیے شاہ صاحب کی کتابوں سے استفادے میں انھیں کوئی دقت بھی پیش نہ آئی۔ انھوں نے بہت سے مقالے حضرت شاہ صاحب اور ان کے عہد پر لکھے ہیں اور ایک کتاب شاہ ولی اللہ کی تعلیمات، افکار اور سوانح حیات میں "ارمغانِ شاہ ولی اللہ" کے نام سے مرتب کی ہے جو ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور سے شائع ہو چکی ہے۔

شاہ صاحب کی زندگی اور افکار و خدمات کے لیے مولانا محمد اسمٰعیل گودھروی اور مولانا مناظر احسن گیلانی کی کتابیں نہایت مفید ہیں۔ اس سلسلے میں سرور صاحب کی یہ کوشش نہایت کامیاب ہے۔

دیگر تالیفات و تصنیفات

مدیر سرور صاحب کی علمی خدمات مولانا سندھیؒ اور شاہ ولی اللہ کے سوانح و افکار کی جمع و ترتیب اور ان کی اشاعت تک ہی محدود نہیں بلکہ انھوں نے اور بھی کئی شخصیات اور تحریکات کو اپنے مطالعے اور نقد و تحریر کا موضوع بنایا ہے۔ اس سلسلے میں "مولانا محمد علی جوہر کے مضامین اور خطوط کی دو جلدوں میں ترتیب"، "مولانا مودودی

کی تحریکِ اسلامی" اور "جماعتِ اسلامی اور دستورِ اسلامی" دو کتابیں اور "شخصیات" کے نام سے ایک مختصر کتاب۔ ان کی علمی، ادبی خدمات، صحتِ فکر اور تحقیقت پسندانہ نقطۂ نظر پر شاہد ہیں۔

مولانا محمد علی جوہر پر اس کے بعد بھی کام ہوا ہے لیکن سرور صاحب کے کام کی اہمیت میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ محمد علی جوہر کا مطالعہ کرنے والا کوئی شخص سرور صاحب کی کتابوں اور ان پر ان کے مقدمات کے مطالب کو نظر انداز نہیں کرسکتا۔ مولانا مودودی اور ان کی تحریکِ اسلامی، ایک تاریخ اور ایک تجزیہ ہے اور ہر تجزیے میں اختلاف کی بڑی گنجائش نکل آتی ہے۔ لیکن سرور صاحب نے جس خوبی کے ساتھ اسلامی رومانیت کی تاریخ اور جماعت اسلامی کی تحریک کا تجزیہ کیا ہے اسے کوئی شخص جو انصاف کے ساتھ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تحریک کا مطالعہ کرنا چاہتا ہے، نظر انداز نہیں کرسکتا۔ دوسری کتاب جماعت اسلامی اور دستورِ اسلامی بھی ان کی نہایت فکر انگیز کتاب ہے اور آئین سازی کے موجودہ دور میں تو جماعت اسلامی کے افکار و کردار کے نشیب و فراز کے مطالعہ کے لیے نہایت مفید اور دلچسپ ہے۔ خالص ادبی نقطۂ نظر سے مجھے ان کی مختصر کتاب "شخصیات" بہت پسند ہے۔ اس میں انھوں نے چند اکابر، سیاسی رہنماؤں، علمائے دین اور ادبا و شعرا کے بارے میں اپنا مطالعہ اور تاثرات بیان کیے ہیں۔ یہ تمام وہ شخصیات ہیں جن کی خدمات یا فکر و فن یا ان کے خصائص سیرت سے سرور صاحب متاثر ہوئے ہیں۔

اکابر اور سیاست دانوں میں ڈاکٹر اقبال، مصطفیٰ کمال، مولانا محمد علی جوہر، مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا حسرت موہانی ہیں۔ مولانا محمد سورتی ان کے شفیق استاد تھے، مولانا عبیداللہ سندھی ان کے فکر کے مربی، ڈاکٹر ذاکر حسین سے ان کے بہت قریبی تعلقات تھے اور وہ ان کی شخصیت سے بہت متاثر ہیں۔ ادیبوں اور شاعروں میں جوش ملیح آبادی، جگر مرادآبادی، حفیظ جالندھری، ن م راشد اور بیدی، کرشن، اشک پر قلم اٹھایا ہے، اور نہ صرف شخصیات اور ان کے خصائل و خصائص اور فکر و فن کا نہایت عمدگی سے تعارف کرایا ہے بلکہ زبان [illegible] بیان کی دل آویزی اور اسلوب کی ندرت نگاری کا نقش بھی دلوں پر ثبت کر دیا ہے۔

([illegible] گیا)